عہدِ مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

پروفیسر محمد عمر، شعبہ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قسط نمبر ۱۹

۵۔ آگرہ: خطِ استوار سے ۲۸ ڈگری عرض البلد اور ۴۵ ڈگری طول البلد پر واقع تھا یہ شہر بے حد بڑا، تھا لیکن ویران، برباد اور بنا فصیل کے تھا" بلا کسی منصوبے کے" اس کی گلیاں اور مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس میں امیروں کے بہت سے محل بنے ہوئے تھے "لیکن وہ وادیوں اور گوشوں میں چھپے ہوئے تھے"

شہر کا عرض کسی بھی حالت اس کے طول کے برابر بڑا نہ تھا کیونکہ ہر شخص نے زیادہ سے زیادہ ندی کے کنارے بسنے کی کوشش کی تھی جہاں سب مشہور امیروں کے بیش قیمت محلات بنے ہوئے تھے" یہ شہر بہت شاندار اور دلکش معلوم ہوتا تھا۔ ان کا شمار اگر کوئی شخص شمال کی جانب سے کرتا تو ان محلات کی یہ ترتیب پائی جاتی تھی۔ بہادر خاں، راجا بھوج (اس کا منصب ۵۰۰ سے کم تھا) ابراہیم خان (منصب ۳۰۳۰) رستم قندھاری (منصب ۵۰۰۰) راجا کشن داس (منصب ۳۰۰۰) اعتقاد خان (برادر آصف خاں) (منصب پنج ہزاری) شہزاد خانم، جہانگیر کی بہن جسکی شادی مظفر خان سے ہوئی تھی، باقر خاں (سہ ہزاری)، خواجہ ابوالحسن (پنج ہزاری) اور رقیہ سلطان بیگم (جہانگیر کی نا کتخدا بہن) کے محلات تھے۔ ان محلات کے آگے شاہ برج یا قلعہ واقع تھا جس کی دیواریں "کٹے سرخ پتھروں کی بنی ہوئی تھیں جن کی بلندی ۲۵/ انچ اور دو کوس کا پھیلاؤ تھا۔ یہ قلعہ اچھی خاصی ندی پر بنا ہوا تھا" بالخصوص ندی کی طرف اس کے چاروں سمت دلکش مناظر تھے" پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ "دنیا کی مشہور ترین عمارتوں میں یہ قلعہ کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے" اس کی دیواروں کے اندر تھوڑے فاصلے پر غسلخانہ واقع تھا جو اپنی باسٹر سے بے حد سجا ہوا تھا" یہ چوکور بنا ہوا تھا اور

اونچی شہ نشین بنی ہوئی تھی۔ اس کے گنبد کے باہری طرف طلائی ملمع چڑھا ہوا تھا جو بہت قریب سے دیکھنے میں نہ صرف شاہی بلکہ تھوڑی سی دوری سے دیکھنے میں خسروی (سلطانی) معلوم ہوتا تھا قلعہ کے اندر نہ تو کوئی چھوٹا کمرہ بلکہ کوئی کمرہ نہ تھا۔ اس کے اندرونی بیشتر رقبے پر شہزادوں کے محلات اور رہائشی مکانات اور شاہی حرم کی مستورات کے محلات بنے ہوئے تھے۔ جن میں جہانگیر کی والدہ مریم مکانی اور اس کی بیوی نور محل کے محلات شامل تھے۔ ان میں اتوار، سنیچر اور منگل نامی تین محل بھی شامل تھے جن میں مرقومہ دنوں میں بادشاہ سویا کرتا تھا۔ دوسرے ایک محل کا نام بنگالی محل تھا جس میں مختلف اقوام کی خواتین رہا کرتی تھیں۔ اندر کی طرف سے یہ قلعہ ایک شہر سے زیادہ مشابہ تھا جس میں سڑکیں اور دوکانیں تھیں اور باہر کی طرف سے ناقابلِ تسخیر ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا۔

ندی کے دوسرے کنارے پر سکندرہ نامی دوسرا ایک شہر واقع تھا۔ اس میں زیادہ تر بنیے آباد تھے۔ اس میں کنجوں کی طرح دلکش باغات تھے جن میں عمارتیں بھی بنی ہوئی تھیں۔ ان میں شہزادہ پرویز، نورجہاں بیگم اور مرحوم اعتماد الدولہ کی عمارتیں شامل تھیں۔ آخر الذکر کو اسی کے باغ میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کے مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ پچاس ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔ دوسرے دو باغ ــ چہار باغ اور موتی باغ بادشاہ کے تھے۔

پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ "یہاں کے امرا اپنے باغات کے لحاظ سے، جو ان کی زندگی میں تفریح گاہ اور ان کے مرنے کے بعد مقبرے کا کام دیتے تھے جنہیں وہ اپنی زندگی میں بڑے شاندار طریقے سے اُن باغات کے وسط میں تعمیر کرواتے تھے، ہم لوگوں سے کہیں زیادہ فوقیت کے حامل تھے"۔

شمال، جنوب، مشرق اور مغرب سے آنے والی تمام چیزوں کا اس شہر سے گذر ہوتا تھا کیونکہ ان کا جائے وقوع ایسا تھا کہ دور دراز کے ملکوں سے آنے والی سڑکوں کا یہیں اتصال ہوتا تھا۔

اس شہر میں بڑی ایک تعداد میں دستکار پائے جاتے تھے جو بڑی "خوبصورتی سے" اس چیز کی نقل بنالیتے تھے جو وہ دیکھ لیتے تھے۔ لیکن "بذاتِ خود کسی چیز کی ایجاد نہیں کر پاتے تھے۔ اس شہر میں ہندوؤں کا مسلمانوں سے اور امیروں کا غریبوں سے ملنا جلنا تھا۔

پلیرٹ نے لکھا ہے کہ "آگرہ میں جو لوگ سب سے زیادہ دولتمند ہیں ان کا خاص پیشہ قرض پر روپیہ دینا ہے۔ یہ ایک ایسا پیشہ تھا جو ہندوؤں کی نظروں میں قابلِ نفرت نہ تھا بلکہ صرف مسلمان اس سے نفرت کرتے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ بالعموم بڑے پیمانے پر یہ پیشہ کرتے تھے اور یہ کہ تجارت میں لگانے والے تاجر کے مقابلے میں اس کام میں پہلے ہی کچھ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے"

لاہور:

راوی ندی کے کنارے ۳۲ ڈگری طول البلد اور آگرہ سے شمال مغرب کی سمت ۳۰۰ کوس کی دوری پر واقع تھا۔ کسی زمانے میں یہ بڑا تجارتی مرکز تھا لیکن جس زمانے میں پلیسرٹ لکھ رہا تھا فی الحقیقت اسکی تجارت کا خاتمہ ہو چکا تھا" اس نے لکھ رکھا ہے کہ "چند سالوں سے یہاں کا بادشاہ ٹھنڈے مہینوں میں ۵ یا ۶ ماہ یہاں قیام کرتا تھا لیکن دولت کے مقابلے میں اپنی شان و شوکت شاہی عمارتوں اور محلات کے لحاظ سے اس شہر کو حیاتِ نو حاصل ہو گئی تھی۔ یہاں آگرہ سے مسالے، گولکنڈہ اور بنگال سے قسم قسم کے رنگین سوتی کپڑے، ملتان سے ہاتھی دانت، خالص چاندی سیپی، پگڑیاں، سیندور اور ریشمی سامان احمد آباد سے، ریشم پٹنہ سے اور لاکھ، کالی مرچ اور ادویات دوسرے مقامات سے درآمد کی جاتی تھیں۔

ملتان:

اسی نام کے صوبے کا ملتان صدر مقام تھا۔ لاہور کے شمال جنوب میں ۳۰ کوس کی دوری پر یہ واقع تھا۔ وہ صوبہ جس میں ملتان واقع تھا وہ "بے حد زرخیز تھا" یہاں بہت زیادہ مقدار میں شکر بنتی تھی جو "بڑی مقدار" میں کشتیوں کے ذریعہ ٹھٹھہ لے جائی جاتی تھی۔ اس کی دوسری پیداوار میں افیون، سلفر اور مازو پھل شامل تھے۔ ہندوستان کے بہترین اونٹ یہاں ملتے تھے۔" عمدہ اور بہترین کمانیں، بڑی مقدار میں سفید سوتی کپڑے اور تولیے ملتان میں بنائے جاتے تھے۔ لاہور اور آگرہ سے بڑی مقدار میں کچے کپاس اور معمولی سوت کی گانٹھیں۔ بنگال سے سوتی کپڑے، برہانپور سے سُرخ چھاپے کی پگڑیاں اور بہت کم مقدار میں مسالے دوسری جگہوں سے منگوائے جاتے تھے۔

ٹھٹھہ: یہ شہر سندھ صوبے کا صدر مقام تھا اور سمندر سے ۸۰ کوس بجے سلمیر کے راستے سے

آگرہ سے جنوب کی سمت ۳۰۰ کوس اور ملتان کے راستے سے لاہور سے ۷۰۰ کوس کی دوری پر واقع تھا۔ اس کا بحری بندرگاہ لہری بندر کے نام سے موسوم تھا۔ بڑے تمام بحری جہاز وہاں ٹھہرتے تھے۔ چونکہ لہریں بہت سخت ہوتی تھیں اس لیے ۸ یا ۱۰ دنوں میں کشتیوں کے ذریعہ ٹھٹھہ سے سامان لایا جاتا تھا۔ بڑی مقدار میں وہاں سوتی سامان تیار کیا جاتا تھا جو پلسیرٹ کے خیال میں گجرات کے بفتوں سے بہتر ہوتا تھا۔ چھینٹ، جڑاؤ کپڑے، دھاگے کے بفتے، ریشمی اور دوسرے سوتی سامان وہاں تیار ہوتے تھے۔ مقامی صنعتوں میں ہاتھی دانت اور آبنوسی خوبصورتی سے جڑاؤ قلمدان اور ڈھلواں چیزیں وہاں بنائی جاتی تھیں۔

کشمیر کا مشہور شہر سری نگر:

"یہاں بہت دلکش پھلدار اور دوسرے قسم کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اس شہر کے کنارے سے دو ندیاں بہتی تھیں۔ ان کا پانی خوش ذائقہ اور صحت بخش نہ تھا۔ اُبال کر پانی پیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور امیروں کے لئے سونڈ ڈیسوے سے پانی فراہم کیا جاتا تھا جو تین چار کوس کی دوری پر واقع تھا، "جہاں کا پانی صاف اور برف کی طرح سفید تھا"

شہر کے مشرقی سمت "بڑا ایک قلعہ تھا جسکی نو یا دس فٹ اونچی دیواریں بھورے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کے قریب پہاڑی ایک چٹان واقع تھی جس کی چوٹی پر ایک محل بنا ہوا تھا۔ اس قلعے کے وسط میں بادشاہ کا محل تھا جو "اپنی شان و شوکت کے مقابلے میں اپنی بلندی اور وسعت کے لحاظ سے قابل ذکر ہے" بادشاہ کے محل کے بعد ملکۂ اعظم کا محل تھا اور اس کے بعد اس کے بھائی آصف خاں کی رہائش گاہ تھی۔ سلطان شہریار، مقرب خاں اور خواجہ ابوالحسن کے محلات بھی وہاں تھے۔

یہ شہر بہت "وسیع" تھا اور اس میں بہت سی مسجدیں تھیں۔ انناس کی لکڑی کے مکانات بنے ہوئے تھے اور شگافوں میں مٹی بھری ہوئی تھی۔ ان مکانات کا طرزِ تعمیر "کسی طرح بھی قابلِ حقارت نہ تھا" کاشتکاروں کے بجائے شہریوں کے رہنے کے لئے بہت شاندار اور مناسب معلوم ہوتے تھے۔ شیشوں کی کھڑکیوں کے بجائے روشنی کے لئے خوبصورت اور کھلے ہوئے فنکارانہ کھلے روشن دان بنے ہوئے تھے۔ ان کی چھتیں ہموار تھیں اور مٹی سے پوری طرح پٹی ہوئی تھیں۔ مکیں ان چھتوں

پر پیاز بو دیا کرتے تھے یا گھاس لگا کر انھیں پوری طرح سے ڈھک دیتے تھے۔ کیونکہ برسات کے زمانے میں ہری چھتوں اور باغات کی وجہ سے دور سے شہر بے حد خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔

"قصبات اور دیہات" کے بیشتر باشندے غریب تھے وہ لوگ راسخ العقیدہ مسلمان تھے ہندوستانیوں کے مقابلے بالخصوص مسلمان مرد جسمانی طور پر مضبوط ہوتے تھے۔ ہندوستانی مزدوروں کے مقابلے میں وہ دوگنا زیادہ بوجھ لے جاسکتے تھے۔ یہ بات اس لحاظ سے قابلِ ذکر تھی کہ یہاں کے مردوں اور عورتوں کو بہت کم غذا ملتی تھی۔ جب وہ جوان ہوتے تھے ان کے بچے خوبصورت ہوتے تھے اور رنگ صاف ہوتا تھا لیکن جب وہ بڑے ہو جاتے تھے تو ان کا رنگ پیلا اور بدّہ ہو جاتا تھا۔ ان کا طرز زندگی "انسانوں کے بجائے جانوروں کے جیسا تھا۔ عورتوں کا قد چھوٹا ہوتا تھا، وہ گندی رہتی تھیں۔ سر میں جوئے بھرے ہوتے تھے اور وہ خوبصورت نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بھورے رنگ کے ادنٰی معمولی لباس پہنتی تھیں جس کے سامنے کا حصہ گلے سے کمر تک" کھلا ہوتا تھا۔ وہ اپنی پیشانیوں پر سُرخ رنگ کی ایک پٹی باندھتی تھیں۔ اس کے اوپر وہ ایک" بدنما، کالا، گندہ چیتھڑا باندھ لیتی تھیں۔ جو کندھوں کے اوپر سے ہوتا ہوا پیروں تک لٹکا رہتا تھا۔ سوتی کپڑا بہت مہنگا تھا غربت کی وجہ سے وہ اپنے کپڑے نہیں بدلتی تھیں۔

وہاں بہت سی قسموں کے پھل ملتے تھے جیسے نارنگی، سیب اور اخروٹ وغیرہ۔ کابل کے مقابلے میں وہاں کے پھول کمتر ہوتے تھے۔

وہاں زعفران پیدا ہوتی تھی اور آگرہ بھیجی جاتی تھی۔ اس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک اعلیٰ قسم کی "کستوری" کے قریب دس کوس کی دوری پر بوئی جاتی تھی۔ اور مغلوں کے دارالخلافہ میں ۲۸ سے ۳۲ روپے فی سیر کی در سے فروخت کی جاتی تھی۔ ادنیٰ قسم کی جوسری نگر کے قریب پیدا کی جاتی تھی جو ۲۰ سے ۲۴ روپے فی سیر آگرہ لے جائی جاتی تھی۔

عمدہ اون کی وہاں شالیں بھی بُنی جاتی تھیں۔ وہ ریشم کی طرح نرم اور عمدہ ہوتی تھیں۔ ان کا طول ۳ گز اور عرض ۲ گز ہوتا تھا۔

آگرہ سے یہاں گاڑھے کا سوتی کپڑا، سوت، کالی مرچ اور افیون درآمد کی جاتی تھی۔

یہاں آکر پردیسیوں کو پیچش کی شکایت ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ اکثر مر جاتے تھے۔

پلسیرٹ کے خیال کے مطابق اس مرض کا سبب وہاں کا خراب پانی اور پھل تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ تمام امراء اس جگہ کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ یہاں امیر غریب ہو جاتے ہیں اور وہاں کے غرباء اپنا پیٹ نہیں بھر سکتے ہیں کیونکہ ہر چیز وہاں بہت گراں ہے۔ تاہم بادشاہ بظاہر عوام کی فلاح و بہبود کے بجائے اپنے عیش و آرام کو ترجیح دیتا ہے۔"

(۲) زمین کی پیداوار، زراعت اور پھل

زمین کی پیداوار اور زراعت: سال کو تین موسموں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ موسم گرما (اپریل، مئی اور جون) موسم برسات (جون، جولائی، اگست، ستمبر اور اکتوبر) اور موسم سرما (نومبر، دسمبر، جنوری اور فروری) اپریل سے جون تک کھیت سخت اور سوکھے پڑے رہتے تھے۔ چند دنوں کی بارش سے جب زمین نم ہو جاتی تو وہ لوگ نیل، چاول، جوار، باجرہ، مونگ، اُڑد وغیرہ بونا شروع کرتے تھے۔ جب یہ بیج زمین سے ذرا اوپر تک اُگ آتے تو وہ لوگ زمین جوتتے تھے اور دوبارہ بیج بوتے تھے۔ (ہر سال) ان کے ہاں دو فصلیں ہوتی تھیں۔ دسمبر اور جنوری میں وہ لوگ گیہوں، جو، چنا، مسور، مٹر، سرسوں اور السی وغیرہ بوتے تھے۔

آبپاشی کے لئے بڑی تعداد میں کنوئیں کھودے جاتے تھے۔ اگر وقت پر بارش ہو جاتی اور "وہاں زیادہ سردی" نہ پڑتی تو عام طور پر فصل اچھی ہو جاتی تھی۔

درخت اور ایندھن: شہر کے ارد گرد افراط سے درخت تھے" لیکن دیہی علاقوں کے کھلے میدانوں میں بہت کم درخت پائے جاتے تھے"۔ بعض مرتبہ پانچ درختوں سے" ایک گاؤں کے جائے وقوع کی نشان دہی ہوتی تھی۔" اس لئے ایندھن کی لکڑی بہت گراں تھی"۔ یہ تول کر بکتی تھی جو ۶۰ پونڈ ۱۲ سے ۱۸ پیسے تک ملتی تھی۔ غریب لوگ اوپلے (کنڈے) جلاتے تھے۔ وہ لوگ کنڈے فروخت بھی کرتے تھے۔

سبزیاں اور پھل: سبزیوں میں شلجم، سلاد، کھانے کی سبزیاں اور بہت سی قسموں کی سیمیں

" بڑی مقدار میں" پیدا کی جاتی تھیں پھل زیادہ تر کابل یا قندھار سے آتے تھے جیسے ناشپاتی سیب تر لوزہ، بادام، کھجور، پستہ، انار، منقّی وغیرہ دسمبر سے فروری تک۔ وہاں کثرت سے نارنگیاں ملتی تھیں۔ بیانہ کے نزدیک جو پیدا کی جاتی تھیں وہ بہت بڑی ہوتی تھیں۔ بڑی مقدار میں لیمو بھی بکتے تھے۔

(۳) بادشاہ، ذاتی حالات

ذاتی دلچسپیاں: "جہانگیر" عیش وعشرت کی زندگی" بسر کرتا تھا۔ موسم سرما کے ۵ یا ۶ مہینے وہ لاہور میں قیام کرتا تھا۔ اس لئے اس نے خوبصورت عمارتوں محلات اور باغات سے اس شہر کی عظمت کو دو بالا کردیا تھا۔ موسم گرما وہ کشمیر میں گذارتا تھا۔ اس ملک کو وہ اس وجہ سے پسند کرتا تھا کہ جوانی میں سخت شراب پینے کی وجہ سے اس کا جسم "بھٹی کی طرح" جلتا رہتا تھا۔ اپریل کے میں وہ لاہور سے روانہ ہوتا اور مئی میں وہ کشمیر پہونچ جاتا۔

اس نے خود کو اور" اپنی حیثیت کو" اپنی چالاک بیوی کے حوالے کردیا تھا" جو نسلی اعتبار سے ادنیٰ درجے کی تھی۔"

شکار کھیلنے کا ذوق: پلسیرٹ کا بیان ہے کہ اچھی شکار گاہوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں جہانگیر کو بڑی دلچسپی تھی۔ کھیل کود میں وہ بہت خوشی محسوس کرتا تھا بالعموم وہ شام کے وقت شکار کھیلنے جایا کرتا تھا کیونکہ اس وقت گرمی کم ہوجاتی تھی۔ اس بات کا وہ بہت کم لحاظ کرتا تھا کہ اس کے ہمراہ" بہت کم ملازم تھے" یا یہ کہ بارش ہورہی ہو۔ یا ہوا تیز چل رہی ہو۔ وہ طرح طرح کے شکاروں سے دلچسپی رکھتا تھا۔

شیر اور شیر ببر: شیر ببر یا شیروں کا شکار کھیلنا اس وقت تک ممنوع تھا جب تک کہ بادشاہ سے پہلے اس بات کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔" جوانی کے عالم میں یہ بادشاہ بندوق سے شکار کھیلنے میں بہت محظوظ ہوتا تھا۔ اس کے بعد پلسیرٹ نے انی رائے سنگھ دالان کا حادثہ

بیان کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "ایسے تابع دار افراد کی ایسی وفاداری کے بارے میں زور سے کہنا چاہتا ہوں جو اپنے آقا کے لئے اپنی جان اس طرح قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں جیسے کہ محبت کے ایک جذبے نے انھیں اس کام کے لئے متحرک کیا ہو۔"

چیتوں کے ذریعہ شکار! "شکار کھیلنے کا یہ قابلِ ذکر ایک طریقہ" تھا۔ چیتوں کو بڑی احتیاط سے کھلایا پلایا جاتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی دیکھ بھال کے لئے دو آدمی مقرر کئے جاتے تھے۔ جب محافظ کو کسی چیتل کا نشان ملتا تو وہ چیتے کو کھول دیتا اور شکار کی طرف اشارہ کر دیتا۔ جب وہ اپنے شکار کو پکڑنے جاتا تو وہ درختوں، پودوں اور جھاڑیوں کے پیچھے پیچھے یہاں تک آگے بڑھ جاتا کہ شکار کے اتنے قریب پہونچ جاتا کہ ایک چھلانگ میں وہ اس کے اوپر پہونچ جاتا۔" بہت سے چیتوں کو اتنی اچھی تربیت دی گئی تھی کہ شاذ و نادر یا کبھی ناکام نہیں ہوتے تھے۔"

چیتلوں کا شکار چیتلوں کے ذریعہ! ان کی اتنی اچھی طرح تربیت کی جاتی تھی کہ جب ان کے محافظ انھیں بلاتے تو وہ چلے آتے۔ جب شکار کھیلنے کا موقع آتا تو "بٹی ہوئی تانتوں کا لمبا ایک پھندا پالتو چیتل کے سینگوں میں باندھ دیا جاتا۔ وہ پھندا اس کے گلے میں پڑا ہوتا تھا۔ جوں ہی کوئی جنگلی چیتل کی اس پر نظر پڑتی تو وہ اپنے سینگوں سے اس سے لڑنے آتا۔ وہ دونوں اس وقت تک لڑتے رہتے جب تک پالتو چیتل یہ محسوس نہ کر لیتا کہ اس پھندے نے شکار کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کے بعد وہ چھلانگ مارتا اور دوسرے چیتل کو آگے کی طرف کھینچتا۔ لہٰذا دونوں اپنے سینگوں کے قبضے میں آجاتے۔ محافظ وہاں پہونچ جاتے اور جنگلی چیتل کو پکڑ لیتے۔

جہانگیر کا علم نجوم میں عقیدہ! جہانگیر علم نجوم میں بے حد عقیدہ رکھتا تھا۔ برہمن بڑے ہوشیار نجومی ہوتے تھے۔ وہ لوگ اس بات کے لئے مشہور تھے کہ موسم کے بارے میں انھوں

نے بالکل صحیح پیشین گوئی کی تھی۔ اور چاند اور سورج گرہنوں کا بہت واضح اندازہ لگایا تھا بالعموم جہانگیر ان میں سے اُسے دربار سے وابستہ رکھتا تھا جس کی پیشین گوئیاں بالکل صحیح ثابت ہوئی ہوں۔

نورجہاں: نورجہاں نے "اپنی چالوں یا اپنی مؤثر گفتگو سے" جہانگیر کو اپنے زیر کر رکھا تھا۔ اس نے اس حالت کا پورا فائدہ اٹھایا اور "خود بے حد دولتمند بن بیٹھی"۔ شاہی مرتبے سے کہیں زیادہ اس نے اپنے لئے مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے حمایتیوں کو انعام واکرام سے خوب نوازا جاتا تھا۔ بادشاہ برائے نام حکمرانی کرتا تھا۔ وہ اور آصف خاں "مملکت پر مضبوطی سے قابض تھے"۔ شہنشاہ کے احکامات اس وقت تک قابل اعتبار نہیں تھے جب تک وہ ان کی تصدیق نہ کر دیتی۔ "دائمی شہرت حاصل کرنے کے لئے" اس نے چاروں طرف محلات، تفریحی باغات اور سرائیں تعمیر کروائی تھیں۔

شہزادہ پرویز: برہانپور کا صوبہ اسے تفویض کیا گیا تھا۔ اس کا دورِ حکومت "بے لطف" تھا۔ کیونکہ وہ پست ہمت ایک آدمی تھا۔ نہ تو اس کے دل میں حکومت کی اور نہ دکھاوے کی خواہش تھی۔ اگر روزانہ پینے کو شراب مل جاتی تو وہ پوری طرح سے مطمئن تھا۔ "دن کو سونا اور رات کو شراب پینا اُسے پسند تھا"۔ وہ اپنے ملک کے نظم ونسق کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کی افواج کی تنخواہیں اور تعداد کم کر دی گئی۔ ان کی تنخواہیں ادا نہیں کی جاتی تھیں۔

شہزادہ خرم: "تمام دستکاروں کی وہ سرپرستی کیا کرتا تھا جنہیں وہ اتنی زیادہ اجرتیں دیتا تھا کہ اس نے اپنے والد کے دربار کی شان وشوکت اپنے دربار میں پیدا کر لی تھی کیونکہ جہانگیر کی طرح وہ عجوبات، بیش بہا جواہرات اور دوسرے نوادر کا اس قدر گرویدہ تھا اور زیادہ ہوشمندی کی بنا پر فراخدلی سے تنخواہیں دیتا تھا اور جیسا کہ اس کا باپ تھا وہ اپنے کسی ماتحتوں میں سے کسی کے زیر اثر رہنا پسند نہیں کرتا تھا"۔ پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ اس نے علم بغاوت

بلند کر دیا تھا کیوں کہ اس نے یہ سوچا کہ اس کے والد کی کافی عمر ہو چکی تھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے بڑے بھائی پرویز کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہتا تھا۔

(۴) دربار اور انتظام سلطنت

بادشاہ کا شام کا پروگرام: بادشاہ جب شکار کھیل کر واپس لوٹتا تھا تو وہ غسلخانہ میں آتا۔ اس مجلس" میں تمام امراء" اور وہ اجنبی شامل ہوتے تھے جنہیں عرضیاں پیش کرنی ہوتی تھیں۔" ایک تہائی رات تک یا اس سے زیادہ وقت تک" بادشاہ وہاں بیٹھا رہتا تھا۔ وہاں اپنے قیام کے دوران وہ مقررہ اپنے تین پیالے شراب پیتا تھا۔ جب شراب کے گھونٹ گلے سے نیچے اترتے تو حاضرین زور زور سے مبارکباد کے نعرے لگاتے تاکہ وہ اس کے لئے مفید ثابت ہو۔ جب وہ آخری پیالہ نوش کر لیتا تو وہاں سے ہر شخص اُٹھ کر چلا جاتا۔ جوں ہی مرد چلے جاتے تو اپنی غلام لڑکیوں کے ساتھ ملکۂ اعظم وہاں داخل ہوتیں۔" بہلا پھسلا کر اور کولی میں بھر کر وہ اس طرح اس کے کپڑے اتارتیں کہ جاگنے کے بجائے وہ سونے کی طرف مائل ہو جاتا۔" پلسیرٹ رقمطراز ہے کہ" یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب اس کی بیوی جو اس بات کو بخوبی جانتی ہے کہ اسے کس طرح تالو میں کیا جائے، جو وہ مانگتی ہے یا جس چیز کی وہ خواہش ظاہر کرتی ہے، وہ اسے مل جاتی ہے۔ کیونکہ بڑی مشکل سے کبھی" نہیں" کے بجائے ہمیشہ" ہاں" میں اسے جواب ملتا ہے۔"

مرکزی نظام: عوام کے معاملات کے بارے میں شہنشاہ بہت کم توجہ دیتا تھا۔ اگر کوئی اس کی خدمت میں حاضر ہوتا اور عرضداشت پیش کرتا تو وہ اُسے غور سے سُنتا لیکن کبھی فیصلہ کن جواب نہ دیتا جب تک کہ وہ آصف خاں سے مشورہ نہ کر لیتا۔ آصف خاں اس معاملے کو اپنی بہن ملکۂ اعظم کی خدمت میں پیش کرتا۔ پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ" اس کے بعد اگر کسی کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا تو وہ بادشاہ کے بجائے ان لوگوں کا شکر گذار ہوتا۔"

دادرسی: پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ" قوانین کی مشکل سے پابندی کی جاتی تھی۔" اور یہ انتظام

سلطنت "بالکل مطلق العنانی" تھا۔ وہاں قوانین کی کتابیں موجود تھیں جو قاضیوں کی تحویل میں رہتی تھیں۔ ہر شہر میں ایک کچہری ہوتی تھی جہاں "روزانہ" یا کم سے کم ہفتے میں چار دن صوبہ دار، قاضی، دیوان، بخشی، کوتوال اور دوسرے سرکاری حکام دادرسی کے لئے بیٹھتے تھے۔ وہاں تمام جھگڑوں کا تصفیہ ہوتا تھا۔

مقدماتِ فوجداری؛

قتل اور چوری جیسے "تمام سنگین مقدموں کا" آخری فیصلہ" صوبہ دار کرتا تھا۔ اگر ملزمان غریب ہوتے اور رشوت دینے کے قابل نہ ہوتے تو بھنگی انھیں کھینچ کر کچہری سے باہر لے آتا اور بلا تکلف" پھانسی کے تختے پر لٹکا دیتا۔ وہ لوگ جو غریب نہیں ہوتے تھے۔" انھیں شاذو نادر ہی پھانسی دی جاتی"۔ قاضی یا صوبہ داران کی جائداد ضبط کرلیتا۔

مقدمات دیوانی؛

طلاقوں، جھگڑوں اور دھمکیوں کے" مقدمات" کو توال یا قاضی طے کرتا تھا"

پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ" فی الحقیقت اس آدمی پر اظہار افسوس کرنا چاہیئے جسے فیصلے کے لئے ان بے دین اور غیر منصفوں کے روبرو آنا پڑتا تھا جنہیں طمع نے اندھا کر دیا ہے۔ جن کے منہ بھیڑیے کی طرح ہوسناکی کے لئے کھلے رہتے ہیں اور جو غریبوں کی روٹیوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرد ہاتھ کھولے رشوت لینے کے لئے کھڑا رہتا ہے کیونکہ" نقدی رقم ادا کئے بنا رحم اور ترس حاصل نہیں ہو سکتا تھا"۔ (جاری ہے)

> قوت ڈھل جانے کا نام نہیں، ڈھال دینے کا نام ہے۔ مڑ جانے کو قوت نہیں کہتے، موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کبھی کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصدِ حیات، کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں، جو بلند مقصد کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں، جو خطرات و مشکلات کے مقابلے کی ہمت نہ رکھتے ہوں، جن کو دنیا میں محض آسائش و سہولت ہی مطلوب ہو۔ جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ سے دب جانے والے ہوں، ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا جاتا ——— (سید مودودیؒ)